OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 4, Issue 2 (April-June 2021)

امت مسلمہ کے عصری سیاسی مسائل اور حکمرانوں کی ذمہ داریاں: سیرت طیبہ کے تناظر میں میں ایک مطالعہ

Current Political Issues of Muslim Ummah and Responsibilities of the Rulers: A *Sīrah* Perspective

Dr. Asjad Ali

Assistant Professor, Islamic Thought and Civilization, University of Management and Technology, Sialkot

Dr. Abdul Aleem

Associate Professor Govt. Jinnah Islamia College Sialkot

Abstract

With the passage of time, the universe is in a constant state of expansion. Humanity has experienced tremendous progress from the dawn of time until the present. This journey of human progress is rapidly moving forward. This is a reality that we cannot deny. However, on the contrary the condition of Muslim Ummah is such that the Muslims seem to be stuck in the Stone Age. Despite having numerous resources, the Muslim Ummah is facing a lot of difficulties and challenges. Everywhere, the Muslims are being annihilated mercilessly. On the other hand, the enemies can attack any Muslim country as and when they wish. No law, no humanity and no morality can stop them from carrying out this brutal act. Today, the Muslim Ummah is not facing this problem because of their number but they are affected economically, socially, morally, religiously and politically due to their own mistakes. One of the major causes is the political instability. If the Muslim Ummah gets

CC BY

politically stable, all the issues will be resolved automatically. When our Holy Prophet (SAAS) came to Madinah, He, first established the political state and ensured its stability. Due to this act, all the other issues started getting resolved easily with the passage of time. The darkness has engulfed the Muslim world with no sight of dawn in the near future. In the contemporary age, the Muslim Ummah is facing a lot of internal and external challenges and issues. The solution to these issues have been analyzed in the perspective of Seerat-e-Tayyibah (Biography of the Holy Prophet(SAAS)) with the focus on the responsibilities of our rulers, so we can relieve Muslim Ummah from all these problems and help them stand in the front line once again.
Keywords: Muslim Ummah, Political Issues*, Sītrah,* rulers, responsibilities

تمہید

اکیسویں صدی کے تناظر میں جب امت مسلمہ کے عروج وزوال کی داستانیں سنتے ہیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے، آنکھیں دھندلا جاتی ہیں اور ضمیر میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی ہی۔ ایسا کیوں؟ کیاامت مسلمہ معاشی طور پر کمزور تھی، کیاتعداد میں کم تھی؟ توجواب ملتاہے کہ ہر گز ہر گز ایسا نہیں تھابلکہ تاریخ تواس کے بر عکس حقائق سے پردہ اٹھاتی ہے۔ کہیں تاریخ جنگ بدر کی عظیم الشان فتح کو پیش کرتی ہے جس میں امت مسلمہ تعداد میں دشمن سے کم اور معاشی بدحالی کا شکار نظر آتی ہے لیکن اس کے باوجود اپنی ایک الگ شناخت کروانے میں کامیاب ہوتی ہے۔ اور پھر فتوحات کا یہ سلسلہ فتح مکہ اور تبوک تک جاپہنچتاہے۔ تاریخ نے امت مسلمہ کے عروج وزوال کو پیش کرتے ہوئے کہیں بھی زوال کو امت مسلمہ کی کم تعداد اور معاشی بدحالی کو قصوروار نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ تاریخ نے توبر سر اقتدار سیاسی قوتوں کو ہی قصوروار ٹھہرایا ہے آج بھی امت مسلمہ جن سیاسی مسائل سے دوچار ہے ان میں زیادہ تر نااہل حکمرانوں کا حصہ ہے۔ امت مسلمہ کی حالت یہ ہوچکی ہے کہ تعداد میں دنیا کی آبادی کا دوسرابڑا مذہب ہونے کے باوجود ظلم وستم کا شکار ہے اور دشمن ہے کہ اس امت کو جنگل کی آگ کی طرح جلارہاہے اور دیمک کی طرح اس کی جڑوں اور بنیادوں کو کھوکھلا کررہاہے۔ جس کی مثال مقبوضہ کشمیر میں سات لاکھ انڈین فوج کی بربریت، فلسطین میں اسرائیل کی اجارہ داری اور شام میں روس وامریکہ کی لگائی ہوئی آگ امت مسلمہ کی بے بسی کامنہ بولتا ثبوت ہے۔ امت مسلمہ کے 57 ممالک آزاد ہونے کے باوجود غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دنیا کے ہر ایک کونے سے امت مسلمہ کے مظلوم وبے سہاراجوان، بوڑھے، عورتیں اور بچوں کی آہیں سنائی دے رہی ہیں۔ یہ وہی منظر ہے جس کو قرآن نے

آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے سورہ نساء کی آیت نمبر:75 میں بیان کیا تھا "اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی بنادے اور ہمارے لیے کوئی اپنے پاس سے مدگار بنا" یہ آیت فتح مکہ سے پہلے مظلوم مسلمانوں کے بارے میں اتری تھی لیکن اس کا مطالبہ آج بھی مسلمانوں سے وہی ہے جو اس وقت تھا۔ اس وقت کے حکمران پیغمبر اسلام ﷺ تھے انہوں نے فوراً ان مسلمانوں کی مدد کے لیے جہاد کا اعلان کر دیا اور ان کمزور مسلمانوں کو دشمن کے چنگل سے آزاد کرواکر دم لیا تھا۔ لیکن آج ہمارے حکمران ان مسائل سے چشم پوشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ آج امت مسلمہ جن سیاسی مسائل کا شکار ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

1۔ داخلی مسائل

2۔ باہمی تعلقات

3۔ بین الاقوامی تعلقات

داخلی مسائل

عصر حاضر میں جدید اسلامی فلاحی ریاست کا قیام ناگزیر ہے۔ جب تک امت مسلمہ کے تمام ممالک کے حکمران اپنے اپنے ممالک میں پیغمبر اسلام ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور نظریات کو سپریم لاء کی حیثیت نہیں دیں گے تب تک ان مسائل سے نکلنا ناممکن ہے۔ اگر سیرت طیبہ کو دیکھا جائے تو تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب کی سرزمین فتنوں کا شکار تھی۔ قتل وغارت ان کی جبلت میں ودیعت کر چکا تھا عورت کے حقوق اور اس کی عصمت وعفت کو زمین میں دفن کیا جا چکا تھا، غریب ظلم وستم کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا کہ اتنے میں پیغمبر اسلام ﷺ کی شکل میں ایک امید کی کرن روشن ہوتی ہے جس نے پورے عرب کو ظلم وستم کی تاریکیوں سے نکال کر ایک نئی زندگی کی راہ پر لا کھڑا کیا۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے چند سالوں میں ایک ایسی نظریاتی وفلاحی ریاست قائم کی جس کی بدولت پورا عرب اس کے سائے تلے آ گیا۔ آج بھی ان نظریاتی اصولوں پر عمل کی اشد ضرورت ہے جن سے ہم ان داخلی مسائل کو حل کر سکتے ہیں ان کے حل کے لیے چند چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

1۔ سیاسی نظام کی تشکیل نو

2۔ ملکی قیام امن

3۔ شرعی قوانین کا نفاذ

4۔ ملکی وسائل کا جائز استعمال

5۔ عہدہ ومنصب پر اہل لوگوں کی تقرری

سیاسی نظام کی تشکیل نو:

عصر حاضر میں جتنے بھی مسلم ممالک ہیں ان ممالک میں سیاسی نظام کی تشکیل از حد ضروری ہے۔ کیونکہ اس وقت تمام مسلم ممالک میں جو نظام چل رہا ہے یا تو وہ ملوکیت یا جاگیرداری یا پھر مغربی جمہوریت کے مطابق چل رہا ہے۔ جس کا اسلام کے سیاسی نظام کے ساتھ سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے وقت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس سیاسی نظام کو از سر نو تشکیل دیا جائے

۔جب ہم سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ سے قبل سیاسی حالت کافی بگڑی ہوئی تھی ،بادشاہت اور جاگیر داری کی بالا دستی تھی ہر طرف بد امنی اور ناانصافی کا دور دورا تھا غریب ان بادشاہوں اور جاگیر داروں کے دروازوں پر انصاف کے لیے مارے مارے پھرتے تھے۔ لیکن جب پیغمبر اسلام ﷺ نے اس خطہ ءارضی پر اسلام کا سیاسی نظام دیا تو حالات یکسر بدل گئے۔ کل تک غریب جس انصاف کے لیے در در کی خاک چھان رہا تھا آج وہی انصاف اس کی دہلیز پر دستک دے رہا تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے ایک ایسا نظام حکومت پیش کیا جو در حقیقت خالق کائنات کو مخلوق سے اور مخلوق کو مخلوق سے جوڑتا ہے۔ یہ ایسا نظام ہے جس میں حکمران کو اس کی ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس دلایا جاتا ہے اور اسی احساس کا ذکر خالق کائنات نے سورۃ الحج میں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ۔[1]

(وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھے کام کا حکم دیں گے اور برے کام سے روکیں گے، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔)

اس آیت میں مذکور ذمہ داریوں کو عملی شکل دینے کے لیے نبی ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ کی بنیاد رکھی یہ مسجد محض عبادت گاہ ہی نہ تھی بلکہ لوگوں کی روحانی تربیت کی عظیم درس گاہ بھی تھی اور اس کو سپریم کورٹ کی بھی حیثیت حاصل تھی۔ آپ ﷺ نے جو نظام حکومت دیا اس کی بنیادیں بڑی گہری تھیں اور اس کے اثرات ایک لمبی مدت تک جاری رہے جس کی ایک جھلک خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اس تاریخی خطبہ میں نظر آتی ہے آپ جب خلیفہ بنے تو فرمایا:

لوگو میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں لیکن تم سے بہتر نہیں۔ اگر میں نیک کام کروں تو اس میں میری مدد کرنا اور اگر برا کروں تو مجھے ٹوکنا۔ تمہارا کمزور شخص میرے نزدیک قوی ہے، جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں۔ تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں گا۔ لیکن اگر مجھ سے ایسا کوئی کام ہو جائے جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہو تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔[2]

آپ ﷺ نے نظام حکومت کو چلانے کے لیے مختلف محکمہ جات متعارف کروائے جن کی نگہداشت آپ ﷺ خود فرمایا کرتے تھے آپ ﷺ کے اس
نظام کو صحابہ کے دور میں مزید ترقی ملی اس نظام کے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوئے آج بھی ہمارے حکمرانوں کو سیرت کے ان سنہری اصولوں
کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

ملکی قیام امن:

کسی بھی قوم وملک کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہاں امن وامان کی فضاء ہو نہ کہ وسائل کی بہتات اگر امن وامان ہو گا تو وسائل خود بخود پیدا ہو جاتے
ہیں یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ نے تعمیر کعبہ کی تکمیل کے بعد جو دعا کی تھی اس میں پہلے امن کا ہی سوال کیا تھا اور پھر وسائل کا۔ اس دعا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں وسائل کی بہتات ہو اور ہر قسم کی سہولت وآسائش، مال و دولت اور عیش وعشرت ہو

مگر لوگ لڑ لڑ کے مر رہے ہوں تو ایسے وسائل کس کام کے؟ کسی بھی معاشرے میں امن وامان اولین ترجیح رکھتا ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے بھی سب سے پہلے یہی امن مانگا تھا جس کا ذکر خالق کائنات نے سورہ بقرہ میں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ ۔[3]

(اور جب ابراہیمؑ نے کہا اے میرے رب! اس (جگہ) کو ایک امن والا شہر بنادے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے۔)

علامہ قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں لفظ امن کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وایما سال ابراهیم ربه ان یجعلها امنا من القحط والجدب والغارات۔[4]

(اور بے شک ابراہیمؑ نے اپنے رب سے اس بات کا سوال کیا کہ وہ اس علاقہ کو قحط، سختی اور قتل وغارت سے محفوظ رکھے۔)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکی امن ہی کسی قوم وملت کو لڑائی جھگڑوں سے نکال کر خوشحالی اور ترقی کی راہ پر گامزن کر سکتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے ریاست مدینہ کے قیام کے بعد سب سے زیادہ ملکی قیام امن پر توجہ دی۔ آپس کے لڑائی جھگڑے تو درکنار آپ ﷺ نے تو ان چیزوں سے بھی روک دیا جو امن کی راہ میں رکاوٹ بنتی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوَى هَاهُنَا، وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ، حَرَامٌ دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ ۔[5]

(مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہ کرے اور نہ ہی اس کو رسوا کرے اور نہ اس کو حقیر جانے تقویٰ اور پرہیزگاری یہاں ہے اور اشارہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے کی طرف تین بار (یعنی ظاہر میں عمدہ اعمال کرنے سے آدمی متقی نہیں ہوتا جب تک سینہ اس کا صاف نہ ہو)، آدمی کے برا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے، مسلمان کا خون کرنا، مال لوٹنا، بے عزتی کرنا حرام ہے۔)

دوسری طرف آپ ﷺ نے فساد پھیلانے والوں کے خلاف سخت کاروائیاں کیں جس کے نتیجے میں آپ ﷺ کی یہ پیشن گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔ حضرت عدی بیان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ایک دن ایسا آئے گا کہ حیرہ سے ھودج میں بیٹھی عورت چلے گی وہ کعبہ کا طواف کرے گی اس عورت کو اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔" اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت عدیؓ فرماتے ہیں:

فَرَأَيْتُ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنْ الْحِيرَةِ حَتَّى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ إِلَّا اللَّهَ ۔[6]

(میں نے ھودج میں بیٹھی عورت کو دیکھا وہ حیرہ سے چلی یہاں تک کہ کعبہ کا طواف کیا اس کو اللہ کے سوا کسی اور کا ڈر نہیں تھا۔)

لیکن آج تو چاروں طرف خوف وہراس پھیلا ہوا ہے۔ ایسا کیوں؟ ایسا اس لیے ہو رہا ہے کہ ہمارے حکمران اپنے اپنے ملکی حالات سے بے خبر ہو کر عیش وعشرت کی زندگیاں گزارنے میں لگے ہوئے ان میں عمر فاروق والی تڑپ نظر نہیں آتی اور نہ ہی عمر بن عبد العزیزؒ کی سادگی نظر آتی ہے۔ ہر طرف فتنوں کا دور دورا ہے روزانہ سینکڑوں لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اگر حکمران اپنے ذاتی مفادات کی قربانی دیں اور امت مسلمہ کی فلاح وبہبود اور امن وامان کی خاطر پیغمبر اسلام ﷺ کی ملکی قیام

امن کے لیے بنائی گئی حکمت عملی کو اپنالیں تو ان تمام مسائل کا حل ممکن ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان فتنوں اور فسادات کو پروان چڑھانے والے خود حکمران ہی ہیں۔ کیونکہ جہاں بھی فسادی گروہ پکڑا جاتا ہے تو اس کی پشت پناہی کوئی حکومتی شخص ہی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ملکی پولیس اگر کسی چور، ڈاکو اور فسادی کو پکڑنے کی غلطی کرلے تو ایسے شخص کی سفارش کرنے میں حکومتی مشینری کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں جبکہ تصویر کا دوسرا رخ دھندلا نظر آتا ہے جب ایک بے قصور اور غریب کو کئی کئی سال جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور شاید اس لیے کہ اس کے پاس نہ تو پولیس کو دینے کے لیے پیسہ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی سفارش پھر ایسا بے بس اور مظلوم جو بے قصور ہونے کے باوجود پولیس کے ڈنڈے کھاتا رہا باہر آکر چور ڈاکو نہ بنے تو کیا کرے۔ یہ وہ حقائق ہیں جن سے حکمران طبقہ چشم پوشی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

شرعی قوانین کا نفاذ

داخلی سیاسی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ شرعی قوانین کی بالادستی کا ہے آج امت مسلمہ اس چیز کی متلاشی ہے کہ اسے ایسا نظام میسر آسکے جو اسے تمام شعبہ جات زندگی میں طمانیت کی دولت وافر عطا کر دے اور ایسے نظام میں عدل وانصاف اور مساوات کی حکمرانی ہو، جہاں افراط و تفریط کو چھوڑ کر اعتدال و توازن قائم ہو، انسانیت کا احترام ہو، دھرم اور مذہب کے نام پر فتنہ و فساد کی گرم بازاری نہ ہو، نظام معیشت ہمواری اور طبقات انسانی میں کوئی طبقہ افلاس کے قدموں میں کچلتا ہوا نظر نہ آئے، معاشرتی زندگی پاکیزہ اور بدکرداریوں سے پاک ہو، اور تمام انسانوں کی عفت و عصمت کا مکمل تحفظ ہو مذہبی فرقہ واریت ، باہمی سیاسی جھگڑوں کو چھوڑ کر نوع انسانی کو اجتماعیت اور اتحاد و اتفاق نصیب ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر مسلم ملک میں شرعی قوانین کا نفاذ ہو جس میں بلا امتیاز رنگ و نسل، قوم و قبیلے، اونچ نیچ، امیر غریب اور عام و خاص کو بلا طاق رکھتے ہوئے فیصلے کیے جائیں۔ یہ ساری وہ چیزیں ہیں جو پیغمبر اسلام ﷺ سے پہلے ناپید تھیں اور لوگ ان کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے ریاست مدینہ میں ان تمام چیزوں کو آسان کر کے ثابت کر دیا کہ ملک و قوم کی ترقی اسی وقت ممکن ہے جس وقت خالق کائنات کے دیے ہوئے قوانین کو سپریم کورٹ کی حیثیت دی جائے گی۔ جب قانون میں مخزوم قبیلے کی فاطمہ اور فاطمہ بنت محمد ﷺ میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جائے گا۔ قانون کے سامنے سب برابر ہوں گے مجرم کے حق میں بڑی سے بڑی سفارش بھی بے کار جائے گی۔ سیرت کے اس واقعہ سے کون آگاہ نہیں کہ جب مخزوم قبیلے سے تعلق رکھنے والی فاطمہ نامی عورت جو چوری کرتی ہے تو اس کی سفارش لے کر حضرت اسامہ بن زید آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور اس عورت کی سفارش کرتے ہیں تو اس وقت جو الفاظ پیغمبر رحمت ﷺ کی زبان سے نکلے وہ آج بھی وقت کے حکمرانوں اور قاضیوں وججوں کے دلوں پر ضرب کاری لگاتے ہیں اور ان سے متقاضی ہیں کہ تم میری محبت میں سچے ہو تو اپنے فیصلوں کو میری سیرت کے تابع کر دو وہ الفاظ یہ ہیں۔

وَأَيْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔[7]

(اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں۔)

اس طرح کی دیگر مثالوں سے یہ ثابت ہے کہ پیغمبر اسلام نے چور کا ہاتھ کاٹنا، زانی کو رجم اور کوڑے مارنے کا فیصلہ دیا۔ قاتل کو قتل کرنے کا، شرابی کو کوڑے مارنے کا، اور الزام لگانے والے پر حد قذف نافذ کرنے کا قانون بنایا جس کی برکت سے معاشرے میں امن وامان قائم ہوا۔ ان تمام حدود کی زد میں آنے والے مرد و خواتین کی تعداد ایک درجن سے تجاوز نہیں کرتی۔ لیکن

دوسری طرف عصر حاضر کے تناظر میں مسلم ممالک کی حالت زار ہماری نظروں کے سامنے ہے۔روزانہ سینکڑوں لوگ زنا ،چوری، قتل وغارت، ڈکیتی، ملاوٹ، شراب نوشی اور الزام تراشی جیسی برائیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں ایسا کیوں؟ پیغمبر اسلام کی اسلامی و فلاحی ریاست میں تو اسطرح کے چند گنتی کے واقعات پیش آتے ہیں۔ جبکہ ہمارے ملک پاکستان میں ۲۰۱۶ء میں ۲۴۳ قتل صرف غیرت کے نام پر ہوتے ہیں سینکڑوں لوگ چوری اور ڈکیتی کی وارداتوں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔اگر ہم سیرت طیبہ کے تناظر میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں امن وامان کا ایک ہی حل ہے کہ تمام مسلم ممالک میں شرعی قوانین کو نافذ ہونا چاہیے اور جو شرعی قوانین کو ہمارے حکمران وحشی قوانین کا نام دے رہے ہیں اور بعض روشن خیال قصاص اور دیت کو فرسودہ اور غیر اسلامی گردانتے ہیں۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ خالق کائنات جو اپنے بندوں کے لیے بڑا رحیم اور کریم ہے وہ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔اسی ذات باری تعالی نے شرعی حدود کو انسان کی بقاء کا ضامن قرار دیا ہے جس کا ذکر سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۷۹ میں کچھ یوں ملتا ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔[8]

(اور تمہارے لیے بدلہ لینے میں ایک طرح کی زندگی ہے اے عقل والو، تاکہ تم بچ جاؤ۔)

اس آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن حافظ عبد السلام بن محمد (1946ء۔۔) لکھتے ہیں:

> قصاص میں زندگی کے معنی یہ ہیں کہ اس سزا کے خوف سے لوگ قتل کرنے سے رک جائیں گے اور کوئی شخص دوسرے کے قتل پر جرات نہیں کرے گا۔[9]

یہی وہ نقطہء تھا جس کی بنیاد پر عہد رسالت اور عہد صحابہ میں معاشرے میں برائیاں نہ ہونے کے برابر تھیں۔اگر آج بھی ہمارے حکمران شرعی حدود وقیود اور قوانین کو نافذ کرتے ہیں تو یہی معاشرہ امن کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

ملکی وسائل کا جائز استعمال

اللہ تعالی نے مسلمانوں کو بے شمار وسائل سے نواز رکھا ہے،اس دنیا کا تقریباً 33 فیصد رقبہ مسلمانوں کے پاس ہے مشرق میں انڈونیشیا سے لے کر مغرب میں مراکش تک اسلامی ممالک ایک طویل سلسلہ پھیلا ہوا ہے جہاں اللہ کی خاص رحمت سے ہر طرح کے وسائل پائے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود آج مسلمان بھوک وافلاس کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں بغیر چھت کے رہنے پر مجبور ہیں مریض کے علاج ومعالجہ کے لیے سہولیات نہ ہونے کے برابر ہیں تعلیمی معیار گرتا ہوا نظر آرہا ہے ایسا کیوں؟ تو یہ اسلیے ہے کے ہمارے حکمران طاقت اور دولت کے نشے میں جابر حکمرانوں جیسے طور طریقے اپنائے ہوئے ہیں وہ دنیا کی رنگینیوں میں اندھے ہوچکے ہیں۔ان کی زندگی کا مقصد ایک ہی نظر آرہا ہے کہ برسر اقتدار آتے ہی ملکی وسائل کو اپنی خواہشات کی خاطر ذاتی استعمال میں لایا جائے اور مختلف عہدوں پر کام کرنے والوں کو مراعات سے نوازا جائے اور قومی خزانہ لوٹ کر دوسرے ممالک میں منتقل کر دیا جائے اور اپنے ملک کو اغیار کی چوکھٹ پر سوالی بنا کر کھڑا کر دیا جائے۔ جبکہ پیغمبر اسلام کی سیرت تو ہمیں ایسا کوئی درس نہیں دیتی کہ جس میں حکمران دوران حکومت امیر سے امیر تر بن جائیں اور غریب بیچارے غریب تر ہو جائیں ایسا کچھ نہیں بلکہ آپ نے تو حضرت معاذ کو جب یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا تھا کہ یمن کے امیروں سے جو زکوٰۃ لوگے وہ یمن کے غریبوں میں بانٹ دینا جبکہ ہمارے حکمران تو عوام کا پیسہ بھی دوسرے ممالک میں منتقل کر دیتے ہیں اور رہی بات مراعات کی تو آپ کے دور میں ایک صحابی زکوٰۃ لے کر لوٹا تو اس نے کہا کہ یہ زکوۃ کا مال ہے اور یہ مجھے تحفہ ملا ہے تو

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو گھر بیٹھے رہتا تو پھر کیسے ملتا؟ جبکہ ہمارے حکمران تو عربوں روپیہ مراعات اور تحفے تحائف کے نام سے کھا رہے ہیں۔

پیغمبر اسلام اگر چاہتے تو بیت المال کا سارا مال اپنے ذاتی استعمال میں لے لیتے لیکن حالت یہ کہ کائنات کی اس عظیم شخصیت کے گھر کئی کئی مہینے
تک چولہا نہیں جلتا۔ ذرا آگے بڑھیے اور دل پر ہاتھ رکھ کر سنیں کہ وقت کا عظیم حکمران جب دنیا سے جا رہا تھا تو گھر میں دیا جلانے کے لیے تیل
بھی موجود نہ تھا۔ مولانا صفی الرحمنؒ اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں

> وفات سے ایک دن پہلے آپ ﷺ نے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا پاس سات دینار تھے وہ بھی صدقہ کر دیئے۔ اپنے ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ فرما دیئے۔ رات چراغ جلانے کے لیے حضرت عائشہ نے تیل پڑوس سے ادھار لیا۔ آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع (کوئی ۷۵ کلو) جو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔[10]

سیرت کے یہ سنہری اصول ہمارے حکمرانوں کی نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں آخرت کو بھول کر دنیا کی شان و شوکت کو گلے لگائے ہوئے ہیں مسلم ممالک میں اللہ کی دی ہوئی ہر نعمت موجود ہے اگر نہیں ہے تو وہ ان حکمرانوں کی دیانتداری نہیں ہے ملکی وسائل کو جائز ضروریات کے لیے استعمال کرنا اور ناجائز ضروریات کے لیے نہ کرنا ہر حکمران کی اولین ذمہ داری ہے اس ذمہ داری کے لیے ہمارے حکمرانوں کو سیرت یوسف کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے کہ جب وہ عہدہ لے رہے تھے تو ساتھ فرما رہے تھے۔

> قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ۔[11]
>
> (اس نے کہا مجھے اس زمین کے خزانوں پر مقرر کر دے، بے شک میں پوری طرح حفاظت کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں۔)

حضرت یوسفؑ کی اس بات سے واضح ہو جاتا ہے کے ملکی وسائل کی حفاظت ایک ایماندار حکمران کی ذمہ داری ہوتی ہے اور قوم کی امانت۔ عصر حاضر میں امت مسلمہ کے کئی ممالک میں بسنے والے غریب لوگ دو وقت کی روٹی کو ترس رہے ہیں جبکہ ان ممالک کے حکمران عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے میں مصروف ہیں۔

آج بھی ہمارے حکمرانوں کو پیغمبر اسلام کی تعلیمات پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے جس نبی ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے اس نبی ﷺ نے قیامت
تک تمام حکمرانوں کے لیے بڑے سنہری اصول چھوڑے ہیں ان اصولوں پر عمل کر کے ہمارے حکمران اور عہدہ داران امت مسلمہ کی فلاح و
بہبود میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں پیغمبر اسلام ﷺ نے عمال و حکام کی تقرری اور تنخواہیں مقرر کرتے ہوئے کچھ ہدایات بھی جاری کیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا:

> مَنْ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلَى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا أَخَذَ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ غُلُولٌ۔[12]

(جس شخص کو ہم کسی کام کے لیے عامل مقرر کریں اور اس کو خرچ کے لیے معاوضہ دیں تو اس کے علاوہ جو کچھ لے گا وہ خیانت ہے۔)

سیرت کے اس سنہری اصول کو سامنے رکھتے ہوئے اگر امت مسلمہ کے تمام حکمران اپنے اختیارات اور ملکی وسائل و ذرائع کا جائز استعمال کریں تو اس ملک میں مثبت اثرات مرتب ہوں گے عدل وانصاف کا قیام، عوام کی مالی خدمت، معاشرتی امن وامان، حقوق وفرائض کی ادائیگی اور ملک کی معیشت میں بہتری جیسے کئی اور مثبت پہلوؤں کو پروان چڑھانے میں مدد ملے گی۔ جبکہ ناجائز استعمال سے ملک میں انتشار اخلاقی برائیاں، اقرباء پروری معاشرتی عدم توازن اور طبقاتی کشمکش کو فروغ ملتا ہے۔

عہدہ و منصب پر اہل لوگوں کی تقرری:

عصری سیاسی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ نظام حکومت چلانے کے لیے اہل لوگوں کی تقرری کا ہے عصر حاضر میں تمام مسلم ممالک میں عہدوں کی تقسیم اہلیت کی بجائے موروثی اور اقرباء پروری کی بنیاد پر ہو رہے ہے جس کی وجہ سے یہ نااہل لوگ حکومت کا حصہ بن کر ملک و قوم کی فلاح و بہبود کی بجائے مزید تنزلی اور زوال کی تاریک رات میں دھکیل رہے ہیں۔ یہ عہدہ اور منصب خالق کائنات کی امانت ہے لیکن ہمارے حکمران اس پاکیزہ منصب میں بددیانتی کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا۔[13] بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، یقیناً اللہ تمہیں یہ بہت ہی اچھی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے) اس آیت کی تفسیر میں حافظ عبد السلام لکھتے ہیں:

> امانت میں لوگوں سے لی ہوئی امانتیں بھی شامل ہیں اور عہدوں اور مناصب کی تقسیم بھی، جب ذمہ دار شخص کو معلوم ہو کہ فلاں صاحب اس منصب کا اہل نہیں تو پھر اپنے ذاتی تعلق یا خاندانی یا کسی دنیوی مقصد کے لیے یا کوٹہ سسٹم کی وجہ سے اہل کو چھوڑ کر نااہل شخص کو وہ منصب دیا جائے تو یہ بہت بڑی خیانت ہے۔[14]

اس آیت میں واضح طور پر بتادیا گیا ہے کہ منصب دینے کی امانت جس کے ہاتھ میں ہو وہ صرف اسی کے سپرد کرے جو اس کا اہل ہو۔ لیکن ہمارے ممالک میں ہر سیاسی پارٹی کے لیڈر الیکشن کے لیے ٹکٹ دیتے ہوئے اور جیت جانے کی صورت میں عہدہ و منصب دیتے ہوئے ایسے وزراء کا انتخاب کرتے ہیں جو ان کے خاندان کے ہوتے ہیں یا پھر ان کے ہر اچھے برے کام میں ان کی حمایت کرتے ہیں ایسے کرپٹ لوگ جب مختلف عہدوں پر منتخب ہو کر میدان میں آتے ہیں تو غریب عوام کا خوب استحصال کرتے ہیں کہیں ملکی خزانہ لوٹ کر، کہیں ظالم کی پشت پناہی کر کے، کہیں ذاتی آسائش وآرام کے لیے ملکی وسائل کو استعمال کر کے اور کہیں سرکاری اداروں سے اپنی من مرضی کے کام لے کر۔ جبکہ دوسری طرف امت مسلمہ میں کئی ایسے افراد اپنے جائز حقوق سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں جن کی علمی اور عملی قابلیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں بے شمار مسائل جنم لیتے ہیں ۔ کہیں تو یہ اپنے حق سے محروم لوگ چور ڈاکو بن کر سامنے آتے ہیں۔ کہیں اپنے دکھوں کے مداوے کے لیے نشہ جیسی خطرناک برائی میں ملوث نظر آتے ہیں اور کہیں یہ اپنے ہی ہاتھوں اپنی ہی زندگی کا قتل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ان تمام مسائل کو ختم کرنے کا واحد حل یہی ہے کہ عہدہ و منصب علمی و عملی قابلیت اور دیانت داری کی بنیاد پر ہو۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کا

اشارہ ہمیں سیرت یوسف سے بھی ملتا ہے کہ جب وقت کے حکمران نے ان سے کہا۔قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ۔[15](بلاشبہ تو آج صاحب اقتدار، ایماندار ہے۔)تو اس کے جواب میں حضرت یوسف نے فرمایا: قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ۔[16](مجھے اس زمین کے خزانوں پر مقرر کر دے، بیشک میں پوری طرح حفاظت کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں۔)

اس آیت سے دو تین باتیں معلوم ہوتی ہیں جن باتوں کو اپنانے سے عصر حاضر کے اس اہم مسئلے کا حل نکالا جاسکتا ہے۔حضرت یوسفؑ نے عہد بانٹنے والے بر سر اقتدار حکمران سے عہدہ مانگا نہیں تھا۔بعض لوگ بادشاہ کی بات کو چھوڑ کر صرف حضرت یوسفؑ کی بات کو دلیل بنا کر پیش کرتے ہیں حضرت یوسفؑ نے خود عہدہ مانگا تھا لہذا عہدہ مانگنا جائز ہے جبکہ اسی بات پر کچھ علم سے ناواقف لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث میں تو عہدہ مانگنے یا اس کی حرص رکھنے سے روکا گیا ہے ۔پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا:عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَا وَرَجُلاَنِ مِنْ بَنِي عَمِّي فَقَالَ أَحَدُ الرَّجُلَيْنِ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمِّرْنَا عَلَى بَعْضِ مَا وَلاَّكَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ . وَقَالَ الآخَرُ مِثْلَ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّا وَاللَّهِ لاَ نُوَلِّي عَلَى هَذَا الْعَمَلِ أَحَدًا سَأَلَهُ وَلاَ أَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ ۔[17](حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں اور میرے چچا کی اولاد میں دو شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے،اور ان میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ!اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو تمام مسلمانوں اور روئے زمین کا حاکم بنایا ہے، مجھ کو بھی کسی کام یا کسی جگہ کا والی وحاکم مقرر فرمادیجیے،اور دوسرے نے بھی رسول اللہؐ سے اسی طرح خواہش کا اظہار کیا ہے،رسول اکرمؐ نے فرمایا خدا کی قسم ہم اس شخص کو کسی کا والی اور حاکم نہیں بناتے جو اس کا از خود طالب ہوتا ہے اور نہ اس شخص کو کوئی ذمہ داری اور عہدہ دیتے ہیں جو اسکا حرص اور خواہش رکھتا ہو۔)

اس کا سادہ سا جواب ہے کہ بادشاہ کے الفاظ "إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت یوسف کو خود عہدہ دے چکا تھا تو آپ نے اپنے آپکو جس عہدے کے لیے زیادہ قابل سمجھا اسی کو بادشاہ کے سامنے رکھا۔عہدہ لیتے ہوئے حضرت یوسف نے فرمایا کہ "**انی حفیظ**" بیشک میں پوری طرح حفاظت کرنے والا ہوں۔اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص کو عہدہ دیا جا رہا ہے وہ اپنے منصب کو پوری امانتداری سے نبھائے گا یا نہیں؟

عصر حاضر میں یہ بہت بڑا مسئلہ ہے کہ وزراء پارلیمنٹ میں اپنے اپنے عہدوں کا حلف تو اٹھاتے ہیں کہ ہم پوری ایمان داری سے حق ادا کریں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا کیونکہ وہ جن عہدوں کے لیے حلف برداری کر رہے ہوتے ہیں حقیقت میں وہ ان کے اہل ہی نہیں ہوتے جس کی وجہ سے معاشرے میں کئی طرح کے مسائل جنم لیتے ہیں جن مسائل کا براہ راست تعلق لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

تیسری اہم بات جو حضرت یوسف نے کی وہ ہے "**انی علیم**" میں بیشک خوب جاننے والا ہوں اگر حضرت یوسف کی باتوں پر غور کیا جائے تو کیا عصر حاضر میں امت مسلمہ کے حکمرانوں میں اہلیت ہے کہ وہ ملکی نظام کو چلائیں۔جب نظام چلانے والے ہی جاہل ہوں گے تو امت مسلمہ کے عصری مسائل کا حل ممکن نہیں اس لیے ہمارے حکمرانوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ خود بھی اور اپنے نیچے والے وزراء کی اہلیت کو دیکھتے ہوئے عہدوں پر فائز ہوں۔پیغمبر اسلام اور آپ کے بعد عہد خلافت میں انہی سنہری اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے عہدے دیے جاتے تھے جس کی برکت سے امت مسلمہ دن بدن ترقی میں آگے جا رہی تھی اور

مسلمانوں کا ایک مقام و مرتبہ تھا پوری دنیا کا کفر نظریں اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں کرتا تھا لیکن آج امت مسلمہ اپنے سابقہ دور سے بالکل مختلف ہے۔

باہمی تعلقات

امت کا مطلب ہی ایک گروہ اور جماعت کا ہے آسان الفاظ میں اس کا مطلب ہے کہ تمام مسلمان ایک گروہ اور ایک امت ہیں اسی کا نام "امت مسلمہ" ہے جہاں یہ امت اتحاد واتفاق کی علمبردار ہے وہاں اس کے اتحاد کا شیرازہ بکھرا ہوا نظر آتا ہے ایک طرف یہ امت فرقہ واریت جیسے خطرناک مسائل میں دوچار ہے تو دوسری طرف وطنیت اور قوم پرستی کی مجاور بن چکی ہے جس کی پوجا میں اتنے مصروف عمل ہیں کہ ساتھ کا ہمسایہ ملک دشمن کے ہاتھوں محکومی اور مظلومیت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ یہ تصویر کہیں تو کشمیر، برما، شام، عراق، بوسنیا اور کہیں افغانستان میں نظر آتی ہے۔ دوسری جانب "جسد واحد" کا لقب رکھنے والا مسلمان اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے نازک جسم کو زخموں کے خون سے رنگنے میں فخر محسوس کر رہا ہے۔ اس کو تو متحد ہونا تھا، محکوم اور کمزور مسلمانوں کا سہارا بننا تھا لیکن یہ تو خود خون مسلم کا پیاسا نکلا۔ پوری دنیا امت مسلمہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ ان مسائل سے نکلنے کا واحد حل آپس کے خوشگوار تعلقات ہیں۔ بچپن میں کہانی سنا کرتے تھے "اتفاق میں برکت ہے" لیکن آج امت مسلمہ اس برکت سے خالی نظر آ رہی ہے اتفاق کی برکت سے قومیں ترقی کرتی ہیں اور عروج کی منازل طے کرتی ہیں۔ جب سیرت طیبہ ﷺ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے مدینہ میں مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے بعد سب سے پہلا کام یہی کیا تھا کہ مہاجر و انصار کو آپس میں متحد کیا تاریخ اس کی گواہ ہے کہ اس اتحاد کی بدولت مسلمان پوری دنیا میں محکومی سے نکل کر حاکم بن کر ابھرے۔ قیصر و کسریٰ جن کی عظمت و رفعت کا طوطی بولتا تھا مسلمانوں کے قدموں تلے آ چکے تھے۔ جبکہ اس کے برعکس نفاق و افتراق وہ لعنت اور نحوست ہے کہ جس قوم میں یہ بیماری پیدا ہو جائے وہ ذلت و رسوائی کے ہولناک گڑھوں میں جا گرتی ہے اور اپنی موت خود ہی مر جاتی ہے دشمن کو اسے مٹانے اور ختم کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرنی پڑتی، انتشار و خلفشار کی شکار قوم آپس میں لڑ لڑ کر خود ہی فنا ہو جاتی ہے، جو کام دشمن کو کرنا ہوتا ہے وہ خود سرانجام دیتی ہے جیسا کہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمد ارشد آزاد لکھتے ہیں: نفاق قوموں کے حق میں زہر قاتل اور اتفاق آب حیات کا حکم رکھتا ہے۔[18]

خالق کائنات نے قرآن کے متعدد مقامات پر امت مسلمہ کے باہمی تعلقات کو ناگزیر قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔[19] (اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔)

اللہ کی رسی سے مراد "قرآن" ہے اور اس کی تفہیم کے لیے پیغمبر اسلام ﷺ کی سنت ہے اس لیے اتحاد واتفاق اسی صورت میں ممکن ہے جب امت مسلمہ کے تمام افراد ذاتی مفادات کو چھوڑ کر فقط قرآن و سنت پر کاربند ہوں گے۔ پھر فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔[20] (محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اس کے ساتھی کفار کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مشفق اور مہربان ہیں۔)

اس آیت کا سادہ سا یہ مطلب ہے کے مسلمانوں کو باہم متحد ہو کر دشمنان اسلام کے سامنے شمشیر بکف ہونا چاہیے نہ کے ایک دوسرے کے۔ امت مسلمہ کے اسی تعلق کو پیغمبر اسلام ﷺ نے ایک عمارت کی طرح متحد ہونے کی تعلیم دیتے ہو

ئے فرمایا: الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ۔[21](ایمان والوں کے باہمی تعلقات ایک مضبوط عمارت کے اجزاء کی طرح ہیں وہ باہم ایک دوسرے کی مضبوطی کا ذریعہ بنتے ہیں۔)

اس حدیث کے راوی حضرت ابو موسیٰ اشعری بیان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں اور بتایا کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم مل کر ایک مضبوط عمارت بننا چاہیے جس کی اینٹیں باہم پیوستہ اور جڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ امت مسلمہ میں اختلاف ہی اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے جس کا فائدہ اٹھا کر دشمن اس پر بغیر خوف و خطر حملہ آور ہے۔ مسلمانوں کا جو رعب دشمن کے دلوں پر راج کیا کرتا تھا اور قیصر و کسریٰ کے درباروں میں زلزلے کا منظر کا پیش کرتا تھا وہ دور دور تک نظر نہیں آتا اور آئے بھی کیسے کیونکہ ہم آج قرآن کی اسی آیت کے مصداق بن چکے ہیں جس سے ہمیں باز رہنے کا کہا گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ۔[22](اور آپس میں جھگڑا مت کرو، ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔)

اس آیت کو اگر عصر حاضر کے تناظر میں دیکھا جائے تو آج امت مسلمہ کی ناکامی اور ذلت و رسوائی کی یہی وجہ نظر آتی ہے جس امت نے متحد ہو کر دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کا کام دینا تھا اور دشمن کے دل میں اس کا رعب پیدا ہونا تھا وہ آپس میں نااتفاقی اور جھگڑوں کی وجہ سے جاتا رہا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں میں دشمن اسلام کا ڈر اور خوف پیدا ہو چکا ہے تو غلط نہ ہو گا، اس کی مثال حال ہی میں جب امریکہ نے (Do More) کا مطالبہ کیا اور حکومت وقت نے انکار کیا تو امریکہ نے دھمکی دی کے ایسا نہ کرنے کی صورت میں پاکستان کو سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا اس پر کئی ٹی۔ وی چینلز پر امریکی غلاموں نے برملا کہا کے پاکستان کو ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا اگر امریکہ پاکستانیوں کو نکال دے گا تو ہماری معیشت تباہ ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ ایسے سیکولر ذہنیت کے لوگوں کی باتوں میں آنے کی بجائے امت مسلمہ کے تمام ممالک کو آپس میں ایک ہونا ہے نہ کے ذاتی مفادات کی خاطر اقوام متحدہ اور امریکہ کو خوش کرنا ہے۔

بین الاقوامی تعلقات

عصر حاضر میں امت مسلمہ کے بین الاقوامی تعلقات کشیدگی کا شکار ہیں عالمی سطح پر مسلمانوں کو جو مقام ملنا چاہیے وہ دیا نہیں جا رہا اس کی وجہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں بین الاقوامی معاہدات کی حکومت ہے اور اقوام متحدہ اور دیگر عالمی قوتیں ان بین الاقوامی معاہدات کے ذریعہ دنیا کے نظام کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ جہاں اس ادارے کا کام پوری دنیا کو جوڑنے کا ہے وہاں یہ ادارہ توڑنے میں مصروف عمل ہے اور اس کی یہ دوہری پالیسی صرف مسلمانوں کو کمزور کرنے کی کوشش میں ہے۔ اس کی یہ دوہری پالیسی کہیں کشمیر، اور کہیں فلسطین میں اس کی منافقانہ روش کو پیش کر رہی ہے مسئلہ کشمیر اور فلسطین پر کئی معاہدات ہوئے لیکن اقوام متحدہ نہ تو بھارت سے عمل کروا سکا اور نہ ہی اسرائیل سے جبکہ اس کے برعکس مسلمانوں کا گھیرا دن بدن تنگ کیا جا رہا ہے اور امریکہ و اسرائیل جیسے عالمی دہشت گردوں کو بے لگام چھوڑ رکھا ہے ان حالات کے تناظر میں ہمارے حکمرانون کی ذمہ داری بنتی ہے کے عالمی سطح پر معاہدات کرتے ہوئے سیرت طیبہ ﷺ کو پیش نظر رکھیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے بھی غیر مسلم اقوام سے معاہدات کیے تھے لیکن ان تمام معاہدات میں اسلام اور مسلمانوں کے وقار کو گرنے نہیں دیا "میثاق مدینہ "اس کی واضح دلیل ہے میثاق مدینہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور تھا جس میں غیر مسلم اقوام کے ساتھ معاہدہ کیا گیا۔ اس معاہدہ کی نمایاں اور منفرد خوبی یہ تھی کہ اس میں لیڈرشپ مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دی گئی تھی کیونکہ مسلمان ہی ایسی قوم ہے جو اقوام عالم

کو متحد کر سکتی ہے نہ کہ غیر مسلم اور میثاق مدینہ اس اتحاد کا منہ بولتا ثبوت ہے پھر اسی اتحاد عالم کی بدولت امن وامان کی فراوانی ہوئی۔ اس معاہدے کو ڈاکٹر حمید اللہؒ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: آج بھی اقوام عالم ایسے ہی نظام کے تحت متحد ہو کر عالمی امن کے خواب کی تعبیر کے لیے مؤثر ترین کوشش کر سکتی ہے۔[23]

عصر حاضر میں مسلمانوں کے وقار کو قائم رکھنے کے لیے ہمارے حکمرانوں کو اقوام عالم سے ایسے ہی معاہدات کرنے ہوں گے جن میں کہیں بھی عالم اسلام کے حقوق کو پامال نہ کیا جائے ان معاہدات کا مقصد اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہونا چاہیے نہ کہ حکمرانوں کے ذاتی مفادات۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے جتنے بھی معاہدات کیے ان سب معاہدات میں آپ ﷺ کے پیش نظر اشاعت اسلام اور مسلمانوں کا وقار تھا۔ ایک طرف آپ ﷺ نے یہ معاہدہ یہود سے کیا تھا تو دوسری طرف اس وقت کی سب سے بڑی طاقت کفار مکہ کے ساتھ تاریخی معاہدہ "صلح حدیبیہ" کے نام سے کیا تھا یہ معاہدہ جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف نظر آرہا تھا تمام معاہدات میں سے زیادہ موثر (Fruitful) ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مسلمانوں کے لیے فتح عظیم قرار دیا جس کا ذکر سورہ فتح میں ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا۔[24] (بے شک ہم نے تجھے فتح دی، ایک کھلی فتح۔)

اس آیت میں عظیم فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور اس پر تمام مفسرین اور مؤرخین نے تبصرہ کرتے ہوئے اس صلح کو یعنی "صلح حدیبیہ" کو فتح مکہ کا پیش خیمہ قرار دیا ہے۔ اس صلح کی ایک خاص اہمیت یہ تھی کہ کفار جو مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے تھے انہوں نے مسلمانوں کے وجود کو تسلیم کر لیا اور یہی مسلمانوں کے لیے عظیم فتح تھی۔ آج امت مسلمہ کو ایسے ہی معاہدات کی ضرورت ہے جن میں ان کا اسلامی اور شخصی وقار برقرار رہے اور جہاں اس کے اسلامی اور شخصی وقار کو نظر انداز کیا جائے وہاں ان معاہدات کو ختم کرتے ہوئے جہادی راستہ اختیار کیا جائے جیسا کہ سورہ توبہ کی پہلی آیت میں اس بات کا اشارہ ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔[25] (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے ان مشرکوں کی طرف بری الذمہ ہونے کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا)

اس آیت میں ان تمام معاہدوں کی تنسیخ کا اعلان ہے جو مسلمانوں نے مشرکوں سے کیے تھے۔ ان معاہدوں کو توڑنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ کفار بار بار معاہدے توڑ رہے تھے اور خاص کر جب مسلمان تبوک گئے تو کفار نے یہ سمجھا کہ رومی مسلمانوں کی طاقت ختم کر دیں گے اور مسلمانوں کی طاقت کے خاتمے کے بعد ان معاہدوں کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے انہوں نے ان معاہدات کو توڑ دیا جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ جبکہ دوسری طرف ان کفار کے معاہدوں کو قائم رکھنے کی اجازت دے دی جنھوں نے ان معاہدوں کو نہیں توڑا تھا جس کا ذکر بھی اسی سورت کی آیت نمبر:4 میں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَى مُدَّتِهِمْ۔[26] (مگر مشرکوں میں سے وہ لوگ جن سے تم نے عہد کیا، پھر انہوں نے تم سے عہد میں کچھ کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان کے ساتھ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو۔)

ان آیات کے تناظر میں دیکھا جائے تو حقیقت بالکل آشکار ہو جاتی ہے کہ ہمارے حکمرانوں کو بھی عالمی سطح پر ان معاہدوں کی پاسداری کرنی چاہیے جن کی پاسداری عالم کفر کر رہے ہیں اور جہاں وہ ان معاہدوں کی پاسداری نہیں کر رہے وہاں مسلمان حکمرانوں کو مل بیٹھ کر ایک لائحہ عمل طے کرنا چاہیے جو اسلام اور امت مسلمہ کی بقاء میں کلیدی کردار ادا کر سکے۔ عالمی معاہدات

کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کے حکمرانوں کو دعوت وجہاد اور خط وکتابت کی راہ بھی اختیار کرنی چاہیے تاکہ جہاں دعوت ناکام ہو جائے، معاہدوں کی پاسداری نہ ہو اور خط وکتابت بے اثر ہو جائے تو اس وقت علمِ جہاد بلند ہو اور پوری دنیا میں کلمۃ اللہ کی بلندی اور امن وامان کی حکومت قائم کردی جائے۔

خلاصہ

عالم کفر متحد ہو کر مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے ہے اور مسلمانوں کو ہر میدان میں شکست دے رہا ہے، اور امت مسلمہ ہے کہ یہ ہر میدان میں شکست خوردہ نظر آرہی ہے۔ خاص کر سیاسی میدان میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے کہیں اس کے داخلی مسائل الجھاؤ کا شکار ہیں، کہیں باہمی تعلقات میں فقدان ہے اور کہیں عالمی سطح پر بوکھلاہٹ کا شکار ہے ایسے حالات میں عالم اسلام کے حکمرانوں کی ذمہ داریاں اور بڑھ جاتی ہیں کہ وہ امت مسلمہ کو ان مسائل سے نکالنے کی حتی الوسع سعی کریں تاکہ امت مسلمہ کو اپنا کھویا ہوا مقام حاصل ہو سکے لیکن ان تمام مسائل میں بہت بڑا حصہ ہمارے حکمرانوں کا ہے جو ان مسائل کو حل کرنے میں غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ان کو ان تمام مسائل کے حل کے لیے سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا چاہیے کیونکہ ان مسائل کو حل کرنا عصر حاضر کی اہم ضرورت بن چکی ہے۔ ملکی انتشار کے خاتمے، ناانصافی کے بتوں کو گرانے، ملکی وسائل کے جائز استعمال، امت مسلمہ کے مربوط تعلقات اور عالمی تعلقات میں امت مسلمہ کے وقار کی بحالی کے لیے کردار ادا کرنا ہوگا۔ لیکن ان تمام مسائل کے حل کے لیے پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات سے روشنی لینی پڑے گی جس کے لیے ہمارے مفاد پرست حکمران تیار نہیں۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو پھر انشاء اللہ دنیا کی کوئی بھی طاقت مسلمانوں کو دنیا وآخرت کی کامیابی سے نہیں روک سکے گی۔ اس بحث کا حاصل یہ نکات ہیں:

i۔ عصر حاضر میں امت مسلمہ بے شمار مسائل کا شکار ہے خاص طور پر سیاسی مسائل بہت زیادہ ہیں اور ان کے اثرات بھی بہت نمایاں ہیں۔ جبکہ تاریخ اسلام کا ابتدائی دور بعد میں آنے ادوار میں ہمیشہ امید کی کرن بن کر مسلمانوں کو جذبہ عمل کی ترغیب دیتا ہے مگر لوگ اپنی اپنی دنیا بنانے میں مصروف رہتے ہیں اور بحیثیت مجموعی امت مسلمہ کی ترقی وغلبہ کے لیے کوئی قابل ذکر کوشش نظر نہیں آتی۔ سیاسی مسائل میں نمایاں کردار داخلی مسائل کے ساتھ ساتھ باہمی تعلقات اور بین الاقوامی تعلقات کا ہوتا ہے۔

ii۔ داخلی مسائل پر قابو پانے کے لیے سیاسی نظام کا استحکام ضروری ہوتا ہے جبکہ شرعی قوانین کے نفاذ سے قیام امن کا حصول آسان ہو جاتا ہے اسی طرح ملکی وسائل کے جائز استعمال کے لیے ایمان دار اور اہل لوگوں کا انتخاب بہت ضروری ہوتا ہے ان باتوں کا عملی نفاذ امت مسلمہ کے داخلی مسائل کو کم اور پھر ختم کر سکتا ہے۔ امت مسلمہ کے سیاسی غلبہ کے لیے باہمی اتحاد و اتفاق بھی بہت اہم ہے آپس کی تفرقہ بندی نے ہمیشہ غیر اسلامی قوتوں کو فائدہ پہنچایا ہے اور ایک لمبے عرصہ سے امت مسلمہ مغلوب ہی رہی ہے۔

iii۔ بین الاقوامی تعلقات بھی کسی قوم کے لیے اپنی پوزیشن کو مستحکم بنانے میں بڑا مقام رکھتے ہیں۔ دوسری قوموں سے برابری کی سطح پر تعلقات کو استوار کرنے کے لیے جہاں آپس کا اتحاد اہم ہے وہاں جذبہ جہاد اور مظلوم مسلمانوں کی مدد بھی بہت اہم اور ضروری ہے۔

vi۔رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور آپکے سنہرے دور کی عملی مثالیں آج امت مسلمہ کے لیے مشعلِ راہ ہیں جیسا کہ اس آرٹیکل سے ظاہر ہے۔

References

[1]Al-Qur'an Al Kareem, Al-Hajj 22:41.

[2] Ibn-e-Saad,Maneea Al-Basri,Altab-qaat-ul-Alkubr'a,(Beirūt: Dār al-Kutub al-Ilmiyah, 1990AD),3:129.

[3] Al-Baqarah 2:126.

[4] Qurtabi,Muhammad Bin Ahmad Ansari,Al-Jamea le-Ahkam Al-Qur'an,(Beirūt: Dār Ahya Alt-Turas Al-Arabi,1952AD),1:117.

[5] Muslim, Ibn Ḥajjāj al-Qusheirī,Al-Jamea Al-Saḥīḥ,(Al-Riaz Al-Saudia:Darussalam,2000AD),Hadith No:2564.

[6] Bukari,Muhammad Bin Ismaeil, Al-Jamea Al-Saḥīḥ,(Al-Riaz Al-Saudia:Darussalam,1998AD),Hadith No:3595.

[7] Bukari , Al-Jamea Al-Saḥīḥ,Hadith No:6786.

[8] Al-Baqarah 2:187.

[9] Abd Al-Ssalam Bin Muhammad,Tafseer Al-Qur'an Al-Kareem,(Lahore:Dar Al-Undlas,2016 AD),1:144.

[10] Mubarak Puri,Safi Alr-Rahman,Alr-Raheeq Al-Makhtoom,(Lahore:Al-Maktba Als-Salafia,2000AD),628.

[11] Yusuf 12:55.

[12] Abū Dāwūd, Sulymān ibn al-Ash'ath al-Sijistānī, Sunan,(Al-Riaz Al-Saudia:Darussalam,1999AD), Hadith No:2943.

[13] Al-Nisā 4:58.

[14] Abd Al-Ssalam Bin Muhammad,Tafseer Al-Qur'an Al-Kareem, 1:376.

[15] Yusuf 12:54.

[16] Yusuf 12:55.

[17]Muslim,Al-Jamea Al-Saḥīḥ, Hadith No:1733.

[18] Aazad,Muhammad Arshad,La Tafarraqoo,(Khan-e-Wal:Mahboob Printing,1980 AD),10.

[19] Aal-e-Imran 3:103.

[20] Al-Fatha 48:29.

[21] Bukari , Al-Jamea Al-Saḥīḥ,Hadith No:6026.

[22] Al-Anfal 8:46.

[23] Hameed Ullah,Dr,Aehd-e-Nabvi main Hukmarani,(Karachi:Urdu Academy ,1981 AD),76.

[24] Al-Fatha 48:1.

[25] Taubah 9:1.

[26] Taubah 9:4.